اسلامی تاریخ میں علماء اور حکام کا کردار

(۲)

شیخ عبد العزیز بدری، عراق

ترجمہ: خلیل حامدی صاحب

اگر کچھ لوگ یہ سمجھتے ہوں کہ بہر حال عباسی خلیفہ مہدی کے دور میں عوام الناس ابھی تک اسلام سے وابستہ تھے، حکمران عوام کی رائے سنتے تھے اور اس کی تائید کرتے تھے اور یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی۔ نیز سفیان ثوریؒ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے اور ایسی ہستیاں ہمیشہ خال خال ہوتی ہیں۔ ہمارا جواب یہ ہے کہ اسلامی تاریخ کے مختلف اَدوار میں علمائے حق کے قلوب برابر نورِ ایمان سے منور رہے ہیں۔ انہیں ہمیشہ زندگی کے اندر اپنے صحیح مشن کا احساس و ادراک رہا ہے۔ اگرچہ اُن اَدوار میں بعض ایسے حکمران ملتے ہیں جو جادۂ حق سے منحرف ہوتے رہے ہیں اور علماء کے محاسبہ سے تنگدلی کا اظہار کرتے رہے ہیں، لیکن بایں ہمہ اس تنقید و محاسبہ کے جواب میں مختلف حکام نے مختلف رویّہ اختیار کیا ہے۔ اور اس اختلاف میں اُن کے ایمان و اسلام کے اختلافِ مراتب کا دخل رہا ہے۔ ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

عبدالرحمان الناصر اور قاضی مُنذِر بن سعید اَندلُس کے اُموی فرمانروا عبدالرحمان الناصر لدین اللہ نے قُرطُبہ میں قصرِ زَہراء کی تعمیر میں غیر معمولی انہماک اور شغف کا ثبوت دیا۔ اس قصر کی تعمیر اور زیب و آرائش اور مینا کاری پر اُس نے ریاست کا بے پناہ روپیہ صرف کیا۔ یہ قصر درحقیقت کئی عظیم الشان محلات کے مجموعہ کا نام تھا۔ اس قصر کی تعمیر اور گلکاری کی نگرانی الناصر بنفس نفیس کرتا رہا اور اس میں اس قدر محو ہوا کہ ایک مرتبہ اُس کی نماز جمعہ قضا ہو گئی۔ اس وقت خطبۂ جمعہ اور قضاء کا منصب مُنذِر بن سعید کے پاس تھا قاضی مُنذِر بن سعید نے اس بارہ میں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہونے کے لیے یہ طے کیا کہ وہ الناصر

کے سامنے زور دار درس دیں گے اور اس میں قصر زہراء پر اس کے اسراف و تبذیر کا محاسبہ کریں گے۔ اور یہ درس بھی وہ قصر زہراء کی جامع مسجد میں لوگوں کے سامنے دیں گے۔ چنانچہ جب جمعہ کا دن آیا تو قاضی منذر بن سعید منبر پر فروکش ہوئے۔ الناصر بھی موجود تھا مسجد نمازیوں سے بھری ہوئی تھی۔ قاضی منذر نے قرآن کی اس آیت سے خطبہ کی ابتدا کی:

أَتَبْنُونَ بِكُلِّ رِيعٍ آيَةً تَعْبَثُونَ ۝ وَتَتَّخِذُونَ مَصَانِعَ لَعَلَّكُمْ تَخْلُدُونَ ۝ وَإِذَا بَطَشْتُم بَطَشْتُمْ جَبَّارِينَ ۝ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ۝ وَاتَّقُوا الَّذِي أَمَدَّكُم بِمَا تَعْلَمُونَ ۝ أَمَدَّكُم بِأَنْعَامٍ وَبَنِينَ ۝ وَجَنَّاتٍ وَعُيُونٍ ۝ إِنِّي أَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ ۝

(الشعراء: ۱۳۰)

یہ تمہارا کیا حال ہے کہ ہر اونچے مقام پر لاحاصل ایک یادگار عمارت بنا ڈالتے ہو اور بڑے بڑے قصر تعمیر کرتے ہو گویا تمہیں ہمیشہ رہنا ہے۔ اور جب کسی پر ہاتھ ڈالتے ہو جبّار بن کر ڈالتے ہو۔ پس تم لوگ اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔ ڈرو اُس سے جس نے وہ کچھ تمہیں دیا ہے جو تم جانتے ہو۔ تمہیں جانور دیے، اولادیں دیں، باغ دیے اور چشمے دیے مجھے تمہارے حق میں ایک بڑے دن کے عذاب کا ڈر ہے۔

اس کے بعد یہ آیت پڑھی:

قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ (النساء: ۷۷)

کہہ دو کہ دنیا کا فائدہ بہت تھوڑا ہے اور پرہیزگاروں کے لیے آخرت بہتر ہے۔

اس کے بعد انھوں نے بڑے گرجدار انداز اور شدید تر الفاظ میں عمارات پر اسراف بیجا کی مذمت کی۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بیان کیا۔

أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ

پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے جس نے اپنی عمارت کی بنیاد خدا کے خوف اور اس کی رضا جوئی پر رکھی ہو یا وہ جس نے اپنی عمارت ایک

بِهٖ فِیْ نَارِ جَهَنَّمَ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ (التوبہ: ۱۰۹)

وادی کی کھوکھلی کگر پر اٹھائی اور وہ اسے لے کر سیدھی جہنم کی آگ میں جا گری ؟ ایسے ظالم لوگوں کو اللہ کبھی سیدھی راہ نہیں دکھاتا۔

الغرض قاضی مُنذِر بن سعید برابر انذار و تذکیر کرتے رہے اور اسراف بے جا کرنے والوں پر تند و تیز تنقید کرتے رہے۔ موصوف کا یہ وعظ اس قدر مؤثر تھا کہ حاضرین پر رقت طاری ہوگئی اور وہ خدا کے خوف سے لرز گئے۔ خود عبد الرحمٰن الناصر لدین اللہ پر بھی اس وعظ کا بے پناہ اثر ہوا۔ اور وہ یہ بھی تاڑ گیا کہ قاضی کا روئے سخن اس کی طرف ہے۔ چنانچہ وہ اشکبار ہوگیا اور اپنے کیے پر اسے سخت ندامت ہوئی۔ لیکن اس کا نفس اس علانیہ محاسبہ اور تلخ تنقید کو برداشت نہ کرسکا۔ اس نے اپنے لڑکے الحکم سے شکوہ کے انداز میں کہا: "خدا کی قسم، قاضی مُنذِر نے اپنی تقریر میں دراصل مجھے نشانہ بنایا ہے اور میرے سوا کسی اور کی جانب اُن کا یہ روئے سخن ہرگز نہیں تھا۔ اُس نے ضرورت سے زیادہ مجھ پر گرفت کی ہے اور میری زجر و توبیخ میں حد سے تجاوز کیا ہے"۔ اس نے قاضی کے الفاظ دہرانے شروع کر دیئے اور انہیں دہراتے ہوئے غضب آلود ہوگیا اور قاضی کو اس سخت گیری کی سزا دینے کا تہیہ کر لیا۔ حتیٰ کہ یہ قسم کھالی کہ قاضی مُنذِر کے پیچھے وہ نماز جمعہ نہیں پڑھے گا۔ اس کے بعد اُس نے جامع قرطبہ کے خطیب احمد بن مطرف کے پیچھے پابندی کے ساتھ نماز جمعہ پڑھنی شروع کر دی ——— بس یہ تھی الناصر لدین اللہ کی طرف سے قاضی منذر بن سعید کو سزا۔

لیکن جب الحکم نے قصرِ زہرا کے ساتھ اپنے والد کی غیر معمولی دلبستگی اور قصر کی عظیم الشان مسجد کے ساتھ اُس کی محبت کو دیکھا تو اُس سے کہا: اگر آپ کو قاضی مُنذِر بن سعید ناپسند ہے تو آپ اُسے امامتِ صلوٰۃ سے معزول کیوں نہیں کر دیتے؟ الناصر لدین اللہ نے اپنے بیٹے الحکم کو ڈانٹ کر جواب دیا: تیری ماں مرے کیا منذر بن سعید جیسے صاحبِ علم و فضل اور صاحبِ تقویٰ و طہارت کو ایک ایسے نفس کی تسکین کی خاطر برطرف کر دیا جائے جو راہِ صواب سے منحرف اور بے اعتدالیوں پر مائل ہوگیا ہے؟ یہ بات ہرگز نہیں ہوگی۔ مجھے اللہ سے شرم آتی ہے کہ میں نماز جمعہ کے اندر اپنے اور اس کے درمیان منذر بن سعید جیسے متقی و راست باز انسان کو شفیع بنانا ترک کر دوں۔ بے شک قاضی مُنذِر نے مجھے نازک پوزیشن میں ڈال دیا تھا

اور میں نے بھی طیش میں آکر قسم کھالی تھی۔ لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ میں اس قسم کا کفارہ ادا کرنے کی کوئی سبیل پاؤں۔ منذر بن سعید جب تک زندہ ہے اور جب تک ہم زندہ ہیں انشاء اللہ خطابت کے منصب پر وہی فائز رہے گا۔ میرا یہ خیال ہے کہ اس کا بدل ہم ہرگز نہیں پا سکتے۔[1]

شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی مثال شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک مثال ملاحظہ ہو۔ حضرت ممدوح مسجد کے منبر پر تشریف فرما تھے۔ آپ نے دورانِ وعظ خلیفہ مقتفی لامر اللہ کا محاسبہ شروع کردیا۔ مقتفی لامر اللہ نے یحییٰ بن سعید (جو ابن المزاحم کے نام سے مشہور تھا) جیسے ظالم شخص کو قضاء کے عہدہ پر متعین کردیا تھا۔ شیخ عبدالقادر جیلانی نے مقتفی کی اس نامزدگی پر سخت نکیر کی اور اُس کا نام لے کر فرمایا: "تو نے مسلمانوں پر ایسے شخص کو مسلط کردیا ہے جو اظلم الظالمین ہے، کل پروردگارِ عالم کے سامنے تو اس زیادتی کا کیا جواب دے گا جو ارحم الراحمین ہے؟" مقتفی لامر اللہ سامعین کے اندر موجود تھا۔ وہ حضرت ممدوح کی اس بات سے کانپ اٹھا اور اُسی وقت یحییٰ بن سعید کے عزل کا حکم جاری کردیا۔[2]

قومی غداری پر عز بن عبدالسلام کی شدید گرفت عز بن عبدالسلام جو سلطان العلماء کے لقب سے پکارے جاتے تھے، الملک الصالح اسماعیل کی طرف سے ۶۳۷ھ میں دمشق کی جامع مسجد کے خطیب مقرر کیے گئے مگر موصوف زیادہ دیر تک اس منصب پر فائز نہ رہ سکے کیونکہ اگلے ہی سال ۶۳۸ھ میں انہیں معزول کردیا گیا۔ اس معزولی کا پس منظر یہ تھا کہ عز بن عبدالسلام نے ملک اسماعیل کی ایک بہت بڑی سیاسی خیانت پر محاسبہ کیا تھا۔ ملک اسماعیل کی اس سیاسی خیانت کی تفصیل ثقہ مؤرخین نے یہ بیان کی ہے کہ ملک اسماعیل مصر کے حاکم نجم الدین بن ایوب سے خائف رہتا تھا۔ آخرکار اُس نے صلیبی افرنگیوں سے دوستانہ معاہدہ کرلیا اور نجم الدین کے خلاف اُن کی امداد حاصل کی۔ اس امداد کے عوض اُس نے صفد کے قلعہ اور اُس کے اطراف، قلعہ الشقیف اور اس کے اطراف صَیدا اور طَبَریہ کا نصف، جبلِ عامل اور ساحلی شہروں کو افرنگیوں کے

---

[1] من اخلاق العلماء از استاذ عبدالحمید العبادی

[2] قلائد الجواہر ص ۸

حوالے کر دیا۔[1] یہ تمام اہم فوجی چھاؤنیاں تھیں۔ مزید برآں ملک اسماعیل نے افرنگیوں کو دمشق میں داخل ہونے اور جنگی ہتھیار خریدنے کی بھی اجازت دے دی۔ عز بن عبد السلام نے ملک اسماعیل کے اس اقدام کے خلاف فتویٰ جاری کیا۔ نہ صرف فتویٰ جاری کیا، بلکہ جمعہ کے روز منبر پر چڑھ کر ملک اسماعیل کا شدید محاسبہ کیا، اُس کے اس اقدام کو ملتِ اسلامیہ کے حق میں عظیم خیانت قرار دیا، اور اُس کے ملی نقصانات واضح کیے، اور خطبہ کے اندر ملک اسماعیل کے حق میں کوئی دعاء نہ کی، حالانکہ اُس زمانے میں خطبے کے اندر سلطان کے حق میں دعا مانگنا سلطان کی وفاداری اور اطاعت کی علامت سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ انہوں نے اپنی طرف سے یہ دُعا مانگی: اے اللہ، اس اُمت کو راست روی پر قائم رکھ۔ ایسی راست روی کہ جس سے تیرے فرمانبردار عزت یاب ہوں اور تیرے دشمن ذلیل و رسوا ہوں۔ اور تیری اطاعت پر عمل ہو اور تیری معصیت سے اجتناب ہو۔" عز بن عبد السلام یہ دعا مانگ رہے تھے اور حاضرین کا انبوہِ کثیر اسے ساتھ ساتھ دُہرا رہا تھا اور آمین پکار رہا تھا۔

سلطان اسماعیل اُس وقت دمشق سے باہر تھا۔ سرکاری خبر رسانوں نے اُسے عز بن عبد السلام کے اس رویہ کی اطلاع بھیجی۔ سلطان کی طرف سے عز بن عبد السلام کی منصبِ خطابت سے فوری برطرفی اور گرفتاری کا پروانہ پہنچ گیا۔ کچھ مدت وہ جیل میں رہے۔ پھر جب سلطان واپس دمشق آیا تو اُس نے عز بن عبد السلام کو جیل سے رہا کر کے خانہ نشین کر دیا اور حکم دیا کہ آئندہ وہ کوئی فتویٰ جاری نہیں کریں گے۔[2]

امام ابن تیمیہ غازان کے دربار میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالیٰ کی مثال لیجیے۔ انہوں نے تاتاری حکمران غازان کے سامنے کس قدر حیرت انگیز جرأت کا ثبوت دیا تھا۔ غازان تاتاری حکمرانوں میں سے چوتھا مسلمان حاکم تھا۔ ۶۹۸ھ کے اواخر میں یہ خبر گرم ہوئی کہ وہ لشکرِ گراں کے ساتھ ایران کی جانب سے حلب پر چڑھائی کر رہا ہے۔ چنانچہ ربیع الاول ۶۹۹ھ کی ستائیس تاریخ کو وادی سلمیہ کے مقام پر اس کی فوجوں اور ناصر بن قلاوون (والئ مصر) کی سپاہ کے مابین مڈبھیڑ ہوئی اور سخت خونریز جنگ کے بعد بالآخر ناصر بن قلاوون کے لشکر کو شکست

---

[1] مقریزی نے السلوک میں یہی علاقے بیان کیے ہیں۔ ملاحظہ ہو قسم دوم ج اول ص ۳۰۲۔ دوسرے مؤرخین مثلاً سبط بن الجوزی نے صرف قلعہ الشقیف اور صفد کا ذکر کیا ہے۔ سبکی نے صرف صیدا شہر لکھا ہے۔

[2] طبقات از سبکی۔ السلوک از مقریزی۔

ہوئی۔ اس شکست نے سب کے حواس پراگندہ کر دیئے۔ کیا سپاہی اور کیا اُمراء تمام میدانِ جنگ سے اُلٹے پاؤں بھاگ کھڑے ہوتے۔ دمشق کے اعیان و اکابر نے بھی ناصر بن قلاوون کے پیچھے پیچھے مصر کی طرف راہِ فرار اختیار کی، اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ شہر تمام بڑے آدمیوں سے خالی ہو گیا۔ کوئی حاکم اور نظم و نسق کو بحال رکھنے والا باقی نہ رہا۔ صرف شیخ الاسلام تھے جو بے سہارا عوام کے درمیان استقلال و عزیمت کی پوری شان کے ساتھ موجود تھے۔ شہر کے اندر جو چند بچے کھچے سرکردہ لوگ رہ گئے تھے، شیخ الاسلامؒ نے ان کو جمع کیا اور نظم و نسق برقرار رکھنے کی صورت پیدا کی، اور طے پایا کہ ایک وفد کی صورت میں شاہِ تاتار سے ملاقات کی جائے اور اُسے آمادہ کیا جائے کہ دمشق میں نہ داخل ہو۔ چنانچہ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ وفد لے کر شاہِ تاتار کے لشکر میں پہنچے اور مقام نبک پر اس سے ملاقات کی۔ اس ملاقات میں شیخ الاسلام اور غازان کے درمیان بڑی تند و تیز بحث ہوئی۔ شیخ الاسلام نے پوری جرأت کے ساتھ غازان کا محاسبہ کیا اور اُس کی اس غلط کارروائی اور عہد شکنی پر بے خوف تنقید کی۔ ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں شیخ الاسلام کی اِس جرأت مندانہ گفتگو کو ایک صالح راوی شیخ ابو عبداللہ محمد بن عمر البالسی کے حوالے سے بتفصیل بیان کیا ہے۔ شیخ البالسی امام ابن تیمیہؒ کے ساتھ اس وفد میں شریک تھے۔ ان کا بیان ہے:

"امام صاحب نے ترجمان کی وساطت سے سلطانِ تاتار سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: اے غازان! تیرا دعویٰ ہے کہ تو مسلمان ہے۔ ہم نے سنا ہے کہ تیرے ساتھ قاضی صاحب بھی ہیں، شیخ بھی اور امام بھی، اور اذان دینے والے مؤذن بھی۔ تو نے آخر کس دلیل سے ہم پر لشکر کشی کی ہے اور ہمارے شہروں کو پامال کیا ہے؟ تیرے باپ دادا کافر تھے، لیکن انہوں نے ہم سے عہد استوار کرنے کے بعد بلادِ اسلام میں قدم نہیں رکھا۔ لیکن تو نے پیمانِ وفا باندھا اور پھر مسلمان ہو کر غداری کی۔ تو نے اپنی زبان سے جو کچھ کہا اُس پر عمل نہیں کیا۔ الغرض ابن تیمیہؒ اور غازان کے درمیان اور بھی ایسی باتیں ہوئیں جنہیں ابن تیمیہؒ نے صرف رضائے الٰہی کے پیشِ نظر و اشگاف بیان کیا۔ انہوں نے جس بات کو حق سمجھا اسے غازان کے گوش گزار کر دیا اور اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے خوف کو دل میں جگہ نہ دی۔ پھر غازان کی طرف سے دسترخوان چُنا گیا۔ وفد کے ارکان اور دوسرے لوگوں نے کھانا کھایا مگر ابن تیمیہؒ نے ہاتھ روک لیا۔ اُن سے پوچھا گیا آپ کیوں نہیں کھانا تناول فرماتے؟ امام نے جواب دیا: اے

سُلطان! میں تیرا کھانا کس طرح کھا سکتا ہوں؟ یہ کھانا وہی تو ہے جو لوگوں کی بھیڑ بکریوں کو لوٹ کر تیار کیا گیا ہے اور لوگوں کے درختوں کو ناجائز کاٹ کاٹ کر پکایا گیا ہے۔ غازان امام کی باتوں کو سر جھکاتے بغور سنتا رہا۔ اُس کے دل میں امام صاحب کی دہشت اور محبت دونوں گھر کر چکی تھیں۔ آخر اُس سے نہ رہا گیا۔ پُوچھنے لگا یہ کون بزرگ ہیں؟ مَیں نے آج تک اس جگرے کا آدمی نہیں دیکھا اور نہ کسی کی بات یوں میرے دل میں جاگزیں ہوئی ہے، اور نہ کسی کے سامنے مَیں نے اپنے تئیں ایسا بے بس پایا ہے۔ سلطان کو ابن تیمیہؒ کے حالات اور ان کے علم و عمل کا مرتبہ بتایا گیا۔ غازان نے امام صاحبؒ سے دعا کی درخواست کی۔ امام صاحبؒ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا: اَے اللہ، اگر تیرے علم میں یہ ہے کہ غازان نے اس لیے تلوار برہنہ کر رکھی ہے کہ تیرا کلمہ بلند ہو اور دین پُورے کا پُورا تیرے لیے ہو جائے تو تُو اِس کی تائید و نصرت فرما اور ملکوں اور انسانوں کا اِسے حاکم بنا۔ اور اگر اس کی جنگ محض ریاکاری، شہرت طلبی اور دنیا پرستی کے لیے ہے اور اس غرض کے لیے ہے کہ اس کی بادشاہت کا سکہ رواں ہو اور اسلام اور مسلمان رُسوا ہوں تو اس کو خوب پکڑ، اسے ہلا مار، اس کا ستیاناس کر اور اس کی بیخ کنی کر۔ حالت یہ تھی کہ امام صاحب یہ دُعا کر رہے تھے اور غازان کی زبان سے بے ساختہ آمین آمین نکل رہا تھا۔ اور اس نے ہاتھ اوپر اُٹھا رکھے تھے۔ بالسی کا بیان ہے کہ ہم اس خوف سے اپنا دامن سمیٹ رہے تھے کہ امام صاحب کی گردن ضرور اڑا دی جائے گی اور خون کے چھینٹوں سے ہمارے لباس تر ہو جائیں گے جب ہم دربار سلطانی سے اُٹھ کر باہر آئے تو قاضی القضاۃ نجم الدین اور دوسرے ارکانِ وفد نے کہا آپ نے تو اپنے آپ کو بھی اور ہمیں بھی مار ڈالا تھا۔ آپ جائیے بخدا ہم اب آپ کے ساتھ نہیں جاتے۔ امام صاحبؒ نے فرمایا بخدا مَیں خود بھی آپ لوگوں کے ساتھ جانے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ بالسی کا بیان ہے کہ سب لوگ گروہ کی صورت میں چل کھڑے ہوئے۔ صرف امام صاحبؒ اور ان کے تلامذہ رہ گئے۔ امام صاحبؒ کے اس کارنامہ کا چرچا غازان کے لشکر کی عورتوں اور افسروں اور امراء تک پہنچا تو وہ سب امام صاحبؒ کے استقبال اور حصُولِ دیدار اور دُعا کے لیے نکلے اور اسی ہجوم کے اندر وہ دمشق روانہ ہوئے۔ جب دمشق میں داخل ہوئے تو حالت یہ تھی کہ تین سو سوار اُن کے ہمرکاب تھے۔ اور میں بھی ــ یعنی بالسی ــ اُن میں شامل تھا۔ جن لوگوں نے امام صاحب کی رفاقت سے انکار کر دیا تھا وہ راستے ہی میں تھے کہ تاتاریوں کا ایک

دستہ اُن پر ٹوٹ پڑا اور ان کے کپڑے اُتروا لیے اور جو کچھ اُن کے پاس تھا لوٹ لیا۔[1]

ماضی وحال کا واضح اختلاف | علمائے اسلام نے حکمرانوں کا جو محاسبہ کیا ہے اس کی یہ چند مثالیں پیش کی گئی ہیں۔ یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ اس بارے میں اسلام کا کیا حکم ہے اور محاسبہ کرنے والے یا محاسبہ کی گنجائش نہ رکھنے والے کی سزا کیا ہے۔ آپ تاریخ اسلامی پر اگر طائرانہ نظر ڈالیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ ملّتِ اسلامی کے حکمرانوں اور محکوموں دونوں فریقوں نے اس فرض کو باحسن وجوہ قائم کیا ہے۔ خلاف شرع اُمور پر حکام کی گرفت یا ان کی منافیٔ اسلام باتوں کے محاسبہ کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ان کی ذات کو ہدف بنایا گیا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی ذات مبارکہ کے سوا ہر انسان سے غلطی اور لغزش کا صدور ہو سکتا ہے۔ اس لیے اگر حکمرانوں کے عیوب اور ناروا تصرفات کا نوٹس لیا جائے تو اس سے ان کی اصلاح ہو گی اور ان کی کجروی راست روی میں تبدیل ہو گی۔ اور عربی کا مقولہ ہے کہ سعادت مند وہ شخص ہے جسے اگر نصیحت کی جائے تو وہ اُسے قبول کرے اور اگر اُس کا محاسبہ کیا جائے تو وہ راہ یاب ہو جائے۔

لیکن افسوس ہے کہ حالات کے اندر توازن نہیں رہا ہے۔ کافر استعمار نے جب دولتِ اسلامیہ کا خاتمہ کر دیا اور نظام خلافت کی بساط اُلٹ دی تو اُس نے مسلمان ملکوں پر قبضہ کرنے کے بعد خود مسلمانوں کے اندر ایسے حکام پیدا کر دیئے جو مسلمانوں پر اسلام کے تحت فریضۂ حکومت سر انجام دینے کے بجائے بالواسطہ یا بلا واسطہ استعماری اغراض ومقاصد کے تحت مسلمانوں کی گردنوں پر سوار ہو گئے ہیں۔ جب مسلمان اُن سے اسلام کے قیام کا مطالبہ کرتے ہیں اور مسلمانوں کے اہلِ علم اُن کا محاسبہ کرتے ہیں تو ان کی پیشانیوں پر شکن آجاتے ہیں، آنکھیں سُرخ ہو جاتی ہیں، دل بھینچنے لگتے ہیں، اور سینے کھولنے لگتے ہیں۔ ان لوگوں سے ہم پوچھتے ہیں کہ آپ آخر کیوں اسلام سے اس قدر برافروختہ ہیں؟ اسلام وہ دین ہے جسے اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے پسند فرمایا ہے۔ یہ دین صرف عبادات ہی کا نام نہیں ہے بلکہ اخلاق، ریاست، حکومت، قانون ونظام غرض زندگی کا ہر پہلو اس کے دائرہ کار میں آتا ہے۔ رعایا تمام تر مسلمان ہے اور آپ مسلمان رعایا کے سربراہ ہیں، اور اللہ تعالیٰ کا حکم ہے وَمَنْ لَّمْ یَحْکُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ۔

[1] مختصر منہاج السنہ از امام ذہبی، ص ۳۳۳۔

(جو اللہ کے نازل کردہ قانون کے تحت فیصلہ نہ کریں وہی کفر کرنے والے ہیں)۔ بعض لوگ یہ پوچھ سکتے ہیں کہ داعیانِ اسلام آج اگر حکام پر کوئی تنقید کریں یا سیاسی پہلو سے دین کی کوئی خدمت کریں تو انہیں قطعاً اجازت نہیں دی جاتی۔ حالانکہ اسلامی ممالک کے تمام حکمران جمہوریت کے دعویدار ہیں اور جمہوریت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ رائے اور تنقید کی آزادی ہو؟ اس سوال کا جواب ہمارے بجائے راسخین فی العلم، امت کے باشعور گروہ اور خود حکام کو دینا چاہیے۔

خریدارانِ ترجمان القرآن سے التماس

۱۔ زرِ سالانہ کے منی آرڈر کوپن پر اپنا پورا پتہ صاف خوشخط لکھیے (خصوصاً ڈاک خانہ اور ضلع کا نام انگریزی کے بڑے حروف میں درج کیجیے) سابق نمبر خریداری بھی۔

۲۔ تبدیلی پتہ کی فرمائش مہینہ کی ۱۵ تاریخ تک دفتر کو پہنچ جانی چاہیے جس میں پہلا پتہ اور نیا تبدیل شدہ پتہ دونوں نمبر خریداری کے حوالہ کے ساتھ درج ہوں۔

۳۔ اجرائے رسالہ کے لیے پیشگی چندہ بھیجئے یا وی۔پی کی اجازت دیجیے۔ قرض یا وعدہ پر رسالہ جاری نہیں کیا جاتا۔

۴۔ ایجنٹ حضرات بوقتِ خط و کتابت اپنا ایجنسی نمبر ضرور تحریر فرمائیں۔ پرچوں کی تعداد میں کمی یا زیادتی کی اطلاع کم از کم ہر ماہ کی پندرہ تاریخ تک مل جانی چاہیے۔

۵۔ ایجنٹ حضرات یا خریدار حتی الوسع رقم بذریعہ منی آرڈر ارسال فرمائیں۔ اگر چیک یا ڈرافٹ بھیجیں تو سادہ ہو۔ پے ایز اکونٹ وغیرہ ہرگز نہ ہو۔

اگر خدانخواستہ آپ ان گزارشات کو نظر انداز کریں گے تو دفتر کی مجبورانہ کوتاہیوں کی ذمہ داری آپ پر ہوگی۔

مینجر